

آزادی نسوان کا مغربی تصور

سید جلال الدین عمری

تاریخ کے ایک طویل عرصے سے عورت مظلوم بنی آرہی تھی۔ وہ ہر قوم میں اور ہر خطہ میں مظلوم تھی۔ یونان میں، روم میں، مصر میں، عراق میں، ہند میں، چین میں، عرب میں ہر جگہ اس پر ظلم ہو رہا تھا۔ بازاروں اور میلوں میں اس کی خسرید و فروخت ہوتی تھی، حیوانوں سے بدتر اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا۔ یونان میں عورت تک یہ بخت جاری رہی کہ اس کے اندر روح ہے بھی یا نہیں؟ اہل عرب اس کے وجود ہی کو موجب عار سمجھتے تھے۔ بعض شقی القلوب اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، ہندوستان میں شوہر کی چٹا پر اس کی بوہ جل کر رکھ ہو جاتی تھی۔ راہمانہ مذاہب اسے معصیت کا سرچشمہ، گناہ کا دروازہ اور مجسم باب سمجھتے تھے۔ اس سے تعلق کو روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور کیا جاتا تھا۔ دنیا کی بیشتر تہذیبوں میں اس کی کوئی سماجی حیثیت نہیں تھی، وہ حقیر اور ذلیل سمجھی جاتی تھی، اس کے معاشی اور سیاسی حقوق نہیں تھے۔ وہ آزاد مرضی سے لین دین اور کوئی مالی تصرف نہیں کر سکتی تھی۔ وہ باپ کی پھر شوہر کی اور اس کے بعد اپنی نرینہ اولاد کی تابع اور محکوم تھی۔ ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے کی اسے اجازت نہ تھی، ان کے ظلم و ستم پر اس کی کہیں دادرسی نہ ہوتی تھی۔ اسے فریاد کا بھی حق حاصل نہ تھا۔

اس میں شک نہیں بعض اوقات عورت کے ہاتھ میں زمام اقتدار بھی رہی ہے ایسا بھی ہوا ہے کہ سلطنت اور حکومت اس کے اشاروں پر گردش کرتی رہی ہے۔ یہ تو بہت دیکھنے میں آیا کہ خاندان اور قبیلہ پر وہ چھائی ہوئی تھی۔ بعض غیر تمدن قبائل میں عورت کو مرد

پر ایک طرح کی بالادستی بھی حاصل رہی ہے اور اب بھی اس طرح کے قبائل موجود ہیں لیکن اس کے باوجود یہ حیثیت نوع عورت کے حالات میں کچھ زیادہ فرق نہ آیا وہ مظلوم کی مظلوم ہی رہی۔ اس کے حقوق پر دست درازی جاری رہی۔

اسلام نے عورت کو ظلم کے اس گرداب سے نکالا، اس کے ساتھ انصاف کیا، اسے انسانی حقوق دئے، عزت و سربلندی بخشی اور معاشرہ کو اس کا احترام سکھایا۔ لیکن مغرب کی جو قومیں اسلام کے سایہ رحمت میں نہ آسکیں وہ اس کے برکات و ثمرات سے محروم رہیں۔ ان میں عورت کے حقوق بدستور یا مال ہوتے رہے اور وہ ہر طرح کا ظلم سہتی رہی۔ موجودہ دور میں جب ان قوموں میں اس کا رد عمل ہوا تو عورت کی آزادی اور مساوات کا تصور ابھرا۔ اس کے حق میں دلائل فراہم کیے گئے اور ثبوت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نوعی اختلاف کے باوجود عورت مرد سے فروتر نہیں ہے۔ دونوں ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے برابر ہیں ان میں کسی بھی پہلو سے فرق و امتیاز صحیح نہیں ہے۔ وہ ہر کام کرتی ہے، ہر عہدہ و منصب کی اہل ہے، وہ ہر طرح آزاد ہے، لہذا مرد کی بالادستی اس پر سے ختم ہونی چاہیے اور اسے وہ سارے حقوق ملنے چاہئیں جو مرد کو حاصل ہیں۔

عورت کے لیے یہ بڑا دل خوش کن تصور تھا۔ اس نے لپک کر اسے اس طرح قبول کیا جیسے فردوس گم گشتہ اسے مل گئی ہو۔ وہ اس کے ظاہری حسن پر فریفتہ ہو گئی اور اس کے بطن میں پھیپھڑی ہوئی خرابیوں پر غور نہ کر سکی۔ حالانکہ یہ بعض پہلوؤں سے اس کے حق میں مفید تھا تو بعض پہلوؤں سے نقصان دہ بھی تھا۔ اس میں ایک طرف عورت کو مرد کے ظلم سے نجات دلائی گئی تھی تو دوسری طرف اس کی قوت و صلاحیت، مزاج اور نفسیاتی کی قطعاً کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی۔ یہ درحقیقت مرد کے ظلم کے خلاف ایک شدید رد عمل تھا۔ اس میں وہ ساری بے اعتدالیاں موجود تھیں جو اس طرح کے رد عمل میں بالعموم پائی جاتی ہیں۔

عورت کی آزادی کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس کے بغیر اسے معاشی ترقی اور استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ مرد کی دست نگر رہے گی

اور کاج میں فروتر سمجھی جائے گی۔ اس لیے یہ اس کا ایک فطری حق ہے کہ وہ اپنی معاشی حیثیت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے آزادی سے دوڑ دھوپ کرے، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور ملکی انتظام و انصرام میں مرد کی طرح حصہ لے۔ اس کے نتیجے میں عورت اور مرد کے کام کے دائرے جو الگ الگ تھے ایک ہو گئے اور عورت معاش کے میدان میں مرد کے ساتھ تگ و دو میں مصروف ہو گئی۔

یہاں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ عورت ایک کم زور اور نازک صنف ہے۔ وہ سخت اور محنت طلب کام انجام نہیں دے سکتی۔ اس پر ان کاموں کا بوجھ ڈالنا بہت بڑی زیادتی ہوگی جن کے اٹھانے کے لیے وہ جسمانی اور دماغی لحاظ سے کسی طرح فٹ نہیں ہے۔ وہ جب تک جوان رہتی ہے، حمل، رضاعت، حیض اور نفاس کی تکلیفیں اسے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے اس کی صحت غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے اور اس کی قوت کار گھٹ جاتی ہے۔ ان مراحل سے پوری جوانی میں اسے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ مراحل جب طے ہوتے ہیں تو وہ جوانی سے بڑھاپے میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کی قوتیں کم زور پڑنے لگتی ہیں۔ موجودہ دور اس معاملہ میں عجیب تضاد کا شکار ہے۔ وہ زبان سے تو اسے ہر کام کا اہل قرار دیتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں اسے صنف نازک مان کر معاملہ کرتا ہے۔ ہلکے پھلکے کام تو اس سے لیے جاتے ہیں اور پیچیدہ اور دقت طلب کاموں کے لیے اسے مناسب تصور نہیں کیا جاتا چنانچہ آج وہ زیادہ سے زیادہ دکانوں پر سودا فروش (SALES WOMAN) ہے، کہیں کلرک ہے، کسی کی سکریٹری ہے، کسی جگہ ٹائپسٹ ہے، بہت ترقی کی تو پیچھے ہے، ترس ہے ڈاکٹر ہے۔ اس کے برخلاف فوج میں اس کا وجود نہیں ہے۔ بھاری مشینیں اس کے حوالہ نہیں کی جاتیں، پر خطر مہات کے لیے اس کا انتخاب نہیں ہوتا۔ وہ پائلٹ اور کپتان نہیں ہے۔ بھاری گاڑیاں وہ نہیں چلاتی، حتیٰ کہ نازک آپریشن کے لیے بھی مرد کی تلاش ہوتی ہے۔ اس کی قوت کار مرد کے مقابل میں کم سمجھی جاتی ہے۔ اس لیے کم از کم پرائیویٹ اداروں میں اس کی تنخواہ مرد سے کم ہوتی ہے۔ یہ حال ان ممالک کا بھی ہے جہاں ایک ہی کام کے لیے عورت

اور مرد کی تنخواہ میں فوق کرنا قانوناً مجرم ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ اس سب کے باوجود عورت کی معاشی حالت پہلے سے بہتر ہے اور وہ خود کفالت اور معاشی استحکام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن اس کے لیے اسے بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔

ا۔ اس کے لیے اسے اپنی قدر و قیمت گھٹانی پڑی اور اپنا احترام اور وقار کھو کر مرد کے لیے حصول دولت کا ایک سستا ذریعہ بنا پڑا۔ آج تجارت اور صنعت و حرفت پر مرد کا قبضہ ہے، بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں بازار اور منڈی اسی کی ہے، حتیٰ کہ بڑے بڑے ہوٹل، کلب گھر اور سینما کا مالک وہی ہے۔ اس طرح سارے وسائل دولت اس کے پاس ہیں اور عورت اس کے پھیلے ہوئے کاروبار کو فروغ دینے کا محض ایک ذریعہ ہے۔ مرد اپنی تجارت کو بڑھانے اور اپنی مصنوعات کی پبلسٹی کے لیے اسے استعمال کر رہا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہزار ہا تو کی کوئی چیز ہو یا دو پیسے کی عورت کی پرکشش اور دل لہانے والی تصویر اس پر ضرور موجود ہوگی۔ ربات صرف اشتہار کی حد تک نہیں رکھی بلکہ عورت کو کھلے بازار میں اس لیے بٹھایا گیا کہ وہ اپنی ناز و ادا سے مرد کی تیار کردہ مصنوعات کو فروخت کرے اس کے قائم کردہ ہوٹلوں اور کلبوں میں مہانوں کا استقبال، خاطر تواضع اور خدمت کرے اس کے سینما ہالوں میں تھرک تھرک کر اپنے جسم کے بیچ و خم کی نمائش کرے اور اس کے لیے وقت ضرورت نیم عریاں ہی نہیں پوری طرح برہنہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت اپنی معاش کی خاطر شاید اس طرح کبھی ذلیل اور روانہ ہوئی ہوگی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے درمیان جذبہ محبت رکھا ہے جو جوہرہ دور میں یہ جذبہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ حریفانہ جذبات پرورش پانے لگے۔ تجارت و صنعت و حرفت اور ملازمت میں دونوں کا مقابلہ ہونے لگا اور ہر ایک نے دوسرے کو پیچھے ہٹانے اور خود آگے بڑھنے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن یہ ایک طاقتور صنف اور ایک کم زور صنف کا مقابلہ تھا۔ مرد اپنی قوت و صلاحیت کی وجہ سے آگے رہا

اور عورت اس کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ زمانہ قدیم کی طرح آج بھی قوموں کی قیادت و سیادت مرد ہی کے ہاتھ میں ہے، اہم عہدوں اور مناصب پر اسی کا قبضہ ہے، زندگی کے سارے شعبوں پر وہی چھایا ہوا ہے، عورت اس سے آگے کیا نکلتی اس کی جے ہمسری کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی، چنانچہ شاذ و نادر مثالوں سے اس کی تردید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس طرح کی مثالیں ہر دور میں مل جاتی ہیں۔ دورِ حاضر ہی کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہیں۔

۳۔ عورت کی تنگ و دو طرفہ معاشی میدان ہی میں نہیں رہی بلکہ آہستہ آہستہ معاشرتی، سماجی اور تہذیبی امور میں بھی وہ مرد کی شریک ہو گئی۔ وہ کارخانوں، دفاتروں اور کالجوں میں مرد کے شانہ بشانہ معاشی جدوجہد کر رہی تھی تو یار کون، گلوں سینما گھروں اور لفرٹ گاہوں میں اس کے ساتھ کھیل کود اور لفرٹ میں بھی حصہ لے رہی تھی۔ اس کا وجود ہر شعبہ حیات میں ضروری قرار پایا اور اس کے بغیر زندگی بے کیف اور بے لطف تصور کی جانے لگی۔ اس سے اختلاط مرد و زن بڑھا، بدکاری عام ہوئی اور ایک ایسی ننگی اور بے حیا تہذیب نے جنم لیا کہ اس کی عفونت اور پدپوسے اخلاق کا چمن اچڑ گیا اور شرم و حیا اور شرافت کا دم گھٹ کر رہ گیا۔

تاریخ کا تجربہ ہے کہ جب بھی عورت گھر سے نکل کر شمع انجمن، بنی اور مجلسوں اور محفلوں کی رونق بڑھانے لگے تو جنسی آوارگی پھیلی، جو گندگی بند کمروں میں برداشت نہیں کی جاسکتی وہ بازاروں اور سڑکوں میں پھیلنے لگی، انتہائی قابل احترام اور پاکیزہ رشتے کبھی اس سے محفوظ نہیں رہے، عام انسانوں کا ذکر ہی کیا ان کے دیوی دیوتا تک بد کاریوں میں ملوث پائے گئے اور ان کی طرف ایسی ایسی داستانیں منسوب کی جانے لگیں کہ آدمی شرم سے پانی پانی ہو جائے، بیسواؤں اور ریڈیوں کو وہ مقام حاصل ہوا جس سے شریف عورتیں تک محروم تھیں، آرٹ اور کلچر سے جنسی جذبات کی ترجمانی ہونے لگی، عریاں تصویریں کھینچیں، ننگے جسمے تراشے گئے، رقص و موسیقی کے نام پر عورت سے لذت حاصل کی گئی، افسانہ، ڈرامہ، شاعری اور ادب کے ذریعہ جنسی اعمال و کیفیات

کی تشریح ہونے لگی، عورت مرد کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی اور اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا کہ مرد کی جنسی خواہش کی تکمیل کرے غرض پوری تہذیب جنس کی ترجمان بن گئی اور اسی کے ارد گرد گھومنے لگی۔ جنسی جذبات کی اسی حکم رانی نے یونان، روم، مصر اور دیگر بہت سی قدیم تہذیبوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ تہذیب نو کبھی اسی راستہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ شاید وہ وقت قریب آ گیا ہے جب کہ یہ قصر منہدم ہو جائے اور ایک نئی تہذیب وجود میں آئے۔

۴۔ خاندانی نظام عورت کی وجہ سے قائم تھا۔ اس کے اندر وئی نظم و نسق کو وہ سنبھالے ہوئے تھی عورت کی تنگ و دو جب گھر سے باہر ہونے لگی اور بیرونی مصروفیتا نے اس کے اوقات کو گھیر لیا تو خاندان کا نظم بکھر گیا۔ اس نے جو کچھ حاصل کیا اس کی قیمت گھر کی بربادی کی شکل میں اسے ادا کرنی پڑی خاندان معاشرہ کا بنیادی پتھر ہے۔ جب یہ اپنی جگہ سے ہٹا تو پورا معاشرہ درہم برہم ہو گیا۔ عورت مرد کے لیے وجہ سکون تھی اب نہیں رہی، ان کے درمیان وہ محبت نہیں رہی جس کی وجہ سے زندگی کے نشیب و فراز میں وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ والدین اور اولاد کا مضبوط رشتہ کم زور پڑ گیا، اولاد کے لیے والدین مرکز محبت ہوتے ہیں، یہ مرکز ان سے چھین گیا اور وہ نرسنگ ہاؤس کے حوالے ہو گئے، والدین کے بڑھاپے کا سہارا ان کی اولاد ہوتی ہے۔ یہ سہارا ٹوٹ گیا، اور وہ انتہائی بے بسی اور کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی نہیں وہ سارے تعلقات جو خاندان کی بقا کے ساتھ وابستہ تھے اس کے ٹوٹنے ہی ختم ہوتے چلے گئے اور انسان اس سکون سے محروم ہو گیا جو صرف خاندان ہی فراہم کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورت کی آمدنی کیا اتنی قیمتی ہے کہ اس کے لیے وہ اور پورا معاشرہ اتنا بڑا نقصان برداشت کرے؟

اسلام نے عورت کے بارے میں غلط تصورات کی تردید کی اور ایک معتدل اور متوازن فکری پیش کیا ہے اس سے مغرب کے موجودہ مساوات مرد و زن کے نظریہ

کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ کام جس طرح ہونا چاہیے نہیں ہو سکا۔ اس کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد مختلف اسباب کی بنا پر مغرب کے ہر فلسفہ کو مرعوبیت کے ساتھ قبول کرتی چلی گئی۔ وہ مغرب کے نظریہ مساوات مرد و زن کی اصلاح کیا کرتے اسلام کی تعلیمات ہی میں انھیں خامیاں نظر آنے لگیں بعض نے کھل کر ان تعلیمات ہی کو ناموزوں قرار دے دیا اور بعض نے تاویل و توجیہ کے ذریعہ اس کی صورت مسخ کر دی۔

اسلام ایک مضبوط اور پائیدار خاندان کو معاشرہ کی بقا کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ اس کا ایک پورا نظام اس نے قائم کیا ہے، اس کی تفصیلات بتائی ہیں اور حدود و ضوابط متعین کیے ہیں۔ وہ اس بات کی شدت سے تاکید کرتا ہے کہ اس نظام کو جوں کا توں باقی رکھا جائے اور اللہ کے قائم کردہ حدود نہ توڑے جائیں۔ اس نظام میں عورت کی بنیادی اہمیت ہے۔ اس کے حقوق بھی میں اور فرائض بھی اگر وہ اس سے گنہارہ کش ہو جائے اور کیسوئی کے ساتھ اس کی ذمہ داریاں ادا نہ کرے تو یہ نظام کبھر کر رہ جائے گا۔ وہ اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب کہ عورت اسے اپنی سعی و جہد اور توجہ کا مرکز بنائے رکھے۔

اسلام معاش کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ عورت معاشی لحاظ سے کم زور نہ ہو بلکہ اس کی معاشی حیثیت مستحکم رہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ کیسوئی کے ساتھ خاندانی فرائض انجام دیتی رہے اور معاشی مصروفیت کی وجہ سے وہ ان سے بے رخی یا غفلت برتنے پر مجبور نہ ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے حسب ذیل تدابیر اختیار کی ہیں۔

۱۔ عورت پر کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ صرف یہی نہیں کہ اس پر اپنی اولاد مال بآ یا کسی قریب سے قریب رشتہ دار کی معاش کا بوجھ نہیں ہے بلکہ خود اس کی معاشی ذمہ داری بچپن میں اس کا باپ اٹھاتا ہے۔ شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے اور شوہر کے انتقال یا اس سے علمدگی کے بعد اولاد اس کے معاش کی ذمہ دار ہوتی

ہے اولاد اس قابل نہ ہو تو باپ یا تہی محرم کو اس کی کفالت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔
 ۲۔ اسے وراثت کا حق دیا۔ ماں باپ، شوہر اور اولاد کے مال میں اسے یہ حق لازماً ملتا ہے۔ بعض اوقات بھائی بہن کے مال میں بھی وہ وراثت کی حقدار ہوتی ہے۔ اسی طرح شوہر کی طرف سے اسے مہر ملتا ہے۔ وہ ان زیورات اور تحفے تحائف کی بھی مالک ہوتی ہے جو شادی یا خوشی کے دیگر مواقع پر اسے دئے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس کا محفوظ سرمایہ ہے۔

۳۔ اس محفوظ سرمایہ کو عورت خاندانی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اسلامی حدود کے اندر تمام نفع بخش کاموں میں لگا سکتی ہے۔ اس سے ہونے والی آمدنی پوری کی پوری اسی کی ہے۔ اس کا دعویٰ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

ان ذرائع سے عورت کی آمدنی میں مستقل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی معاشی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پوری آمدنی محفوظ ہوتی چلی جاتی ہے جب کہ مرد پر گونا گوں معاشی ذمہ داریاں ہیں وہ جو کچھ کماتا ہے اس کا بڑا حصہ ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے پر اسے خرچ کرنا پڑتا ہے۔

اس طرح اسلام کے خاندانی نظام میں معاشی جدوجہد کے لیے عورت گھر چھوڑنے اور اس کی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھنے پر مجبور نہیں ہوتی اور اس سے وہ سماجی اور اخلاقی خرابیاں بھی نہیں پیدا ہوتیں جو عورت اور مرد کے ایک ساتھ مل کر معاشی دوڑ دھوپ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

آخری بات یہ کہ مرد نے عورت پر بے شک بڑی زیادتیاں کی ہیں لیکن اس کے ساتھ اس کے اندر عورت سے محبت کا ایک فطری جذبہ بھی ہے۔ اسلام اس جذبہ کو ابھارتا اور نشوونما دیتا ہے۔ وہ اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ عورت کے قانونی حقوق ہی ادا نہ کیے جائیں بلکہ اس کے ساتھ مہر رمدی کا رویہ اختیار کیا جائے وہ حسن سلوک کی مستحق ہے لہذا اس کے ساتھ حسن سلوک ہونا ہی چاہیے۔ اس جذبہ کی عورت اور مرد کے تعلقات میں اساسی اہمیت ہے۔ موجودہ دور میں عورت

اور مرد کے درمیان حقوق کی جنگ نے اس جذبہ کو مجروح اور نیم جان کر دیا ہے اور کبھی کبھی تو یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید وہ دم توڑ چکا ہے۔ اس سے عورت کا بڑا نقصان ہوا۔ اس لیے کہ صرف قانون چاہے وہ آپ زر سے کیوں نہ لکھ دیا جائے اس کے مسائل حل نہیں کر سکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان مساوات کا دعویٰ ٹوکیا جاتا ہے لیکن عملاً مساوات برقی نہیں جاتی، قانون نے اسے جو سیاسی سماجی اور معاشرتی حقوق دیے ہیں ان سے وہ پوری طرح بہرہ یاب نہیں ہے اور کہیں کہیں تو اس پر ظلم و زیادتی آخری حد کو پہنچ چکی ہے، مرد کی خواہشات کو تکمیل کے لیے اس کی باقاعدہ خرید و فروخت ہو رہی ہے، اس کی جان و مال پر حملے ہو رہے ہیں اور اس کی عصمت و آبرو بھی بے دریغ لوٹی جا رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قدم قدم پر نچوطلانت نئے حملوں کا دفاع کرنا بھی اسے دشوار ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کم زور کے حقوق تسلیم کر بھی لیے جائیں تو ان سب کا اسے ملنا آسان نہیں ہے۔ عورت لڑکر یہ حقوق مرد سے حاصل نہیں کر سکتی۔ وہ اسے صرف اسی صورت میں مل سکتے ہیں جب کہ مرد انھیں دینا چاہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر سہمدردی اور محبت کا جذبہ ہو اور وہ عورت کے ساتھ زیادتی کو جرم اور گناہ سمجھے۔ اسلام نے اسی معاملہ میں بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے۔ تاریخ کے اس تجربہ کو جب بھی دہرایا جائے گا معاشرہ میں ایک بار پھر وہی بہار آئے گی جسے دنیا اس سے پہلے دیکھ چکی ہے۔

قارئین سے معذرت

بعض حضرات تحقیقات اسلامی کے پھلے شمارے طلب فرماتے ہیں اس وقت دفتر میں صرف حسب ذیل دو شمارے موجود ہیں وہ مل سکتے ہیں۔ جولائی - ستمبر ۱۹۸۶ء - اکتوبر - دسمبر ۱۹۸۶ء

دفتر کو ذیل کے شمارے مطلوب ہیں

جنوری - مارچ ۱۹۸۶ء ایمیل - جون ۱۹۸۶ء - جنوری - ارج ۱۹۸۶ء
اگر یہ شمارے ہیں ارسال کیے جائیں تو اس کے عوض آئندہ شمارے روانہ کر دیے جائیں گے۔